ہجرت کا پہلا دن، ایک ماں کا صبر اور ایک شہر کی پہچان

ہجرت کا راستہ کیسے طے ہوا، ماں کی دعا کیسے ساتھ رہی اور ایک شہر اپنی پہچان کیسے پاتا ہے، اس کا احول

منگل، 6 جون 2025ء — ہمارا شہر

ہجرت کا پہلا دن کسی کے لیے سفر کا آغاز ہوتا ہے، کسی کے لیے ماں کی دعا کا امتحان اور کسی کے لیے اپنے شہر کو پہچاننے کا پہلا موقع۔ اس دن کا احول ہم نے ایک ایسی ماں کے حوالے سے سنا جو اپنے بیٹے کو رخصت کرتے وقت صرف یہ کہتی رہی کہ راستہ لمبا ہو تو صبر لمبا ہو جاتا ہے۔ یہ تحریر اسی دن کی یاد، اس کے بعد آنے والے برسوں اور اس شہر کی تصویر پر مبنی ہے جو مسافر کو اجنبی بھی لگتا ہے اور اپنا بھی۔

صبح چار بجے گھر کی دہلیز پر کھڑی ماں کے ہاتھ میں ایک پرانی تسبیح تھی اور زبان پر وہی جملہ جو برسوں بعد بھی کان میں گونجتا ہے۔ بیٹا بس کندھے پر ایک بیگ لٹکائے کھڑا تھا، جس میں کپڑے کم اور خط زیادہ تھے۔ ماں نے دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ راستہ لمبا ہو تو صبر لمبا ہو جاتا ہے۔ یہ جملہ بیٹے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور اس دن کا احول دراصل اسی جملے کی تفسیر ہے۔

سفر کا پہلا حصہ بس کا تھا۔ کھڑکی والی سیٹ پر بیٹھا نوجوان باہر کے اندھیرے میں اپنے گھر کی روشنیاں گنتا رہا۔ جب روشنیاں ختم ہوئیں تو اس نے پہلی بار یہ سوچا کہ واپسی کا راستہ کتنا لمبا ہو سکتا ہے۔ بس ڈرائیور نے ریڈیو پر پرانا گانا لگایا تو کئی مسافروں نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ گانا اس دن کے احول میں بار بار آیا، جیسے یاد نے اپنا راستہ خود چن لیا ہو۔

دوپہر کے وقت جب بس ایک بڑے شہر کے اڈے پر رکی تو بیٹے کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ اجنبی شہر پہچان کو کیسے بدل دیتا ہے۔ لوگ وہی تھے، آواز وہی تھی، مگر ہر چیز اس لیے اجنبی تھی کہ اس کے ساتھ ماں کی دعا نہیں تھی۔ اس نے ٹکٹ گھر سے واپسی کا ٹکٹ پوچھا اور جواب ملا کہ اگلی بس کل صبح ہے۔ یہ رات اس نے اڈے کے بنچ پر گزاری اور اگلے دن کے احول میں یہ رات سب سے لمبی رات لکھی گئی۔

تیسرے دن شہر پہنچنے پر بیٹے نے پہلا کام ایک چائے خانے میں کیا جہاں ریڈیو پر وہی گانا پھر بجا۔ اس دن اس نے طے کیا کہ ماں کو خط لکھے گا اور ہر ہفتے ایک سطر لکھے گا۔ خط کا احول بعد میں ماں نے سنایا تو وہ سطر پوری نہیں تھی، صرف یہ لکھا تھا کہ میں ٹھیک ہوں اور راستہ لمبا ہو رہا ہے۔ ماں نے کہا کہ یہی کافی ہے۔ یہ جملہ اس دن کے احول کا سب سے چھوٹا جملہ ہے اور شاید سب سے سچا بھی۔

شہر میں پہلے مہینے کا احول کام، کرایے اور بھوک کا احول ہے۔ کرایہ دو کمروں کا تھا اور تنخواہ آدھی تھی۔ بیٹا صبح دفتر جاتا اور شام کو ٹفن کھولتا تو ماں کی دعا ساتھ بیٹھی ہوتی۔ ٹفن میں روٹی کم تھی اور دعا زیادہ۔ یہ تقسیم روز ہوتی رہی اور احول میں لکھا گیا کہ بھوک نے صبر کو کاٹا مگر صبر نے بھوک کو روکے رکھا۔ یہ جملہ بھی ماں کا ہی کہا ہوا ہے۔

دفتر میں پہلا سال ترقی کا نہیں، پہچان کا تھا۔ بیٹا جب فائل کھولتا تو ہر کاغذ پر ماں کا نام لکھا ہوتا کہ وہ کس کے لیے کام کر رہا ہے۔ احول میں لکھا ہے کہ اس نے پہلی بار سمجھا کہ نوکری صرف تنخواہ نہیں، ایک وعدہ ہے جو دور بیٹھی ماں سے کیا گیا ہے۔ یہ وعدہ ہر مہینے کے آخر میں ٹوٹتا تھا اور ہر مہینے کے شروع میں پھر جڑ جاتا تھا۔ یہ ٹوٹنا اور جڑنا ہی اس احول کا اصل کام ہے۔

دوسرے سال میں ماں کا خط آیا جس میں صرف دعا تھی۔ بیٹا رو پڑا اور پہلی بار اس نے سوچا کہ واپس جانا کیسا ہوگا۔ احول میں لکھا ہے کہ واپسی کا خیال ہجرت سے زیادہ بھاری لگا کیونکہ واپسی میں پہچان پوری ہونی تھی اور ہجرت میں صرف راستہ طے ہونا تھا۔ یہ فرق احول کا سب سے گہرا فرق ہے۔ ماں نے خط کے آخر میں لکھا تھا کہ بیٹا واپس آئے تو پہچان ساتھ لے کر آئے، راستہ نہیں۔

تیسرے سال میں بیٹا اپنے محلے میں واپس آیا تو ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور وہی گانا پھر بجا۔ احول میں لکھا ہے کہ اس دن اس نے پہلی بار سمجھا کہ ہجرت ختم نہیں ہوئی، صرف شکل بدل گئی ہے۔ ماں کی دعا اب یاد کی شکل میں ساتھ تھی اور یاد کا احول وہی لکھتا ہے جو سفر کرتا ہے۔ یہ احول اسی لیے لکھا گیا کہ کسی اور ماں کو معلوم ہو کہ دعا کا اثر کتنا لمبا ہو سکتا ہے۔

ہجرت کا پہلا دن ماں کی دعا کے ساتھ

بیٹا اپنے شہر کی دہلیز پر کھڑا تھا اور ماں کی دعا اس کے کندھے پر رکھی تھی۔ یہ احول اس دن کا ہے جب ہجرت کا پہلا قدم اٹھایا گیا اور ماں نے کہا کہ راستہ لمبا ہو تو صبر لمبا ہو جاتا ہے۔ یہ جملہ اس دن کے احول میں سب سے زیادہ دہرایا گیا اور اگلے برسوں میں بھی ہر خط کے آخر میں لکھا گیا۔ یہ تحریر اسی دن کی یاد، اس کے بعد آنے والے برسوں اور اس شہر کی تصویر پر مبنی ہے جو مسافر کو اجنبی بھی لگتا ہے اور اپنا بھی۔

صبح چار بجے گھر کی دہلیز پر